

OPEN ACCESS RUSHD (Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies) Published by: Lahore Institute for Social Sciences, Lahore.	ISSN (Print): 2411-9482 ISSN (Online): 2414-3138 Jan-June-2024 Vol: 5, Issue: 1 Email: journalrushd@gmail.com OJS: https://rushdjournal.com/index
---	---

Muhammad Saad Dehlvi¹

Dr. Shahzada Imran Ayub²

Dr. Shams ul Arifeen³

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی امتیازات اور عصری استفادہ
(تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

Jurisprudential Distinctions of Imam Shawkani and
Its Contemporary Application
(A Research and Analytical Study)

Abstract

Imam Shukani is considered as one of the great jurists of his time. He gave only the Holy Quran and the Sunnah as a

1 Ph. D Scholar, Dept of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.

msaaddehlvi.edu@gmail.com

2 Associate Professor, Dept of Islamic Studies, Division of Islamic and Oriental Learning, University of Education, Lower Mall Campus, Lahore.

shahzada.imran@ue.edu.pk

3 Associate Professor, Dept of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.

shams.arifeen@ais.uol.edu.pk

reference in the interpretation of rulings. The evidence of his jurisprudential insight is his numerous scholarly services, among which Neil Al-Awtar and Al-Sail Al-Jarar are prominent. He also has many distinctions in jurisprudential issues as according to him, the opinions of scholars and jurists should be seen as an ijthadi opinion and not as a Shariah argument. He says that one's opinion should be accepted or rejected only on the basis of argument, and should not be influenced by the plurality of opinions. One should always act with justice and avoid partiality. The relationship with the rulers should be developed only so that the people can be reformed through them and not only to achieve personal interests by being flattered. He says that as much as possible the apparent meaning of arguments should be adopted. Apart from this, if we talk about some jurisprudential distinctions of Imam Shukani, then one of them is that the carcasses of animals that do not have blood are impure. No distribution of impurity is also proven in Shariah. Apart from water, purification can also be achieved with other items. A person who abandons prayer is a disbeliever and is obliged to kill. Jihad is always obligatory on every Muslim. It is not permissible to sell excess water, even if someone has stored it. The right of intercession is available only to the neighbor who is also on the way. So, some important distinctions of Imam Showkani are being discussed in this paper.

Keywords: Showkani, Fiqh, Muhaddis, Purity, distinction, opinions, Shariah, arguments, Quran, Sunnah.

حدیث و فقہ کی نشر و اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دینے والی ایک شخصیت امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ آپ اپنے وقت کے ایک معروف عالم، فقیہ، مفسر، مجتہد اور محدث تھے اور آپ کا شمار اہل السنہ کے ممتاز فقہاء میں ہوتا تھا۔

آپ کے ہم عصر کبار شیوخ آپ کے علمی مقام و مرتبے کے معترف تھے۔ آپ کو اپنی صدی کا مصلح اور مجدد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آپ نے خالص کتاب و سنت کو استنباط احکام کا مرجع بنایا اور علوم قرآن، علوم حدیث، علم فقہ و اصول فقہ اور اجتہاد کے طریقے سیکھے۔ اس طرح بالآخر آپ ایک عظیم مجتہد بن کر ابھرے اور ان لوگوں میں شامل ہو گئے جنہوں نے اپنے دور میں تجدید و احیائے دین کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ آپ کو جو فقہی بصیرت حاصل تھی بہت کم اہل علم کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ آپ نے جہاں مسائل کو بیان کیا وہاں اختلافی مسائل میں اپنے ہم عصر اور دیگر علماء سے اختلاف کرتے ہوئے سب سے بہتر رائے کا بھی انتخاب فرمایا۔ یوں آپ کے بہت سے فقہی امتیازات بھی سامنے آئے جن کا علم ہونا نہ صرف طلبائے علوم دینیہ بلکہ علمائے کرام کے لئے بھی نہایت ضروری ہے۔ افادہ عام کی غرض سے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے انہی فقہی امتیازات میں سے چند اہم کا تذکرہ زیر نظر مقالہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات

نام و نسب:

امام شوکانی کا نام محمد ہے، کنیت ابو عبد اللہ، والد کا نام علی اور دادا کا نام محمد ہے۔ پورا نام اس طرح ہے: ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد شوکانی صنعانی۔ آپ کے والد علی بن محمد صنعاء میں شوکانی کے انتساب سے مشہور تھے، والد صاحب ہی کی نسبت کی وجہ سے آپ کو بھی ”شوکانی“ کہا جانے لگا۔ شوکان صنعاء سے ایک دن سے کم کی مسافت پر ایک بستی ہے۔^(۱)

تاریخ و مقام پیدائش:

امام شوکانی کے والد اگرچہ صنعاء میں مقیم ہو چکے تھے تاہم امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش آبائی علاقہ میں ہی ہوئی۔^(۲) آپ بروز پیر بوقت دوپہر بتاریخ 28 ذوالقعدہ سن 1173ھ میں پیدا ہوئے۔^(۱)

(۱) محمد بن علی الشوکانی الیمینی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع (بیروت: دار

المعرفة، 2010)، 1: 480

(۲) أيضاً 2: 215

حصولِ تعلیم:

امام شوکانی نے دس سال کی قلیل عمر سے بھی پہلے نہ صرف قرآن کریم مکمل حفظ کر لیا تھا اور مشائخ اور اہل علم کی مجالس میں حاضر ہونا اور استفادہ کرنا شروع کر دیا تھا۔⁽²⁾ حفظ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ ہی آپ نے فقہ، نحو، عروض، آدابِ بحث، علوم لغت اور تاریخ و ادب کی بہت سی اہم علمی کتب ازبر کر لی تھیں اور اس کے بعد اپنے والد اور اپنے زمانہ کے بہت سے ماہرین فن علماء سے مختلف علوم دینیہ، لسانیہ، عقلیہ، ریاضیہ اور فلکیہ حاصل کرنا شروع کر دیئے اور ان میں بے مثال مہارت پیدا کر لی۔⁽³⁾

تدریسی زندگی:

حصولِ علم کے بعد علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی اور تدریسی زندگی میں خاصی محنت کی۔ ایک دن میں تیرہ اسباق تک پڑھانا آپ کا معمول تھا۔⁽⁴⁾ تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کا کام مستقل جاری تھا۔ چنانچہ آپ نے بے شمار فتاویٰ اور سو سے زائد تصانیف چھوڑیں۔⁽⁵⁾ زر کلی نے الاعلام میں نقل کیا ہے کہ آپ کی مؤلفات کی تعداد ایک سو چودہ (114) تک پہنچتی ہے۔⁽⁶⁾

اجتہاد و تحقیق:

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقلید کے مروجہ انداز کو خیر باد کہہ دیا اور مختلف مسالک کے درمیان مسائل کی تحقیق و ترجیح کا انداز اختیار کیا۔ تقلید کو چھوڑنے اور اجتہادی رائے اختیار کرنے کا خیال ان کے ذہن میں اچانک یا کسی

(1) أيضاً

(2) أبو مصعب محمد صبحي بن حسن حلاق، مقدمة الفتح الرباني من فتاوى الإمام

الشوکاني (يمن: مكتبة الجيل الجديد، س ن)، 1: 24

(3) ابراهيم هلال، مقدمة قطر الولي على حديث الولي، (بيروت: دار الكتب الحديثة، س ن)،

ص 16

(4) ايضاً

(5) الفتح الرباني من فتاوى الإمام الشوکاني، 1: 24

(6) أحمد عزو عناية، مقدمة إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول (بيروت: دار

الكتاب العربي، ١٤١٩هـ)، 1: 12

حادثاتی واقعہ کے نتیجہ میں نہیں آیا بلکہ ایسا تعلیم کے پہلے دن سے لے کر تکمیل علوم تک بتدریج اور آہستگی کے ساتھ ہوا۔ آپ نے اپنی طلب علم کے آغاز کی دعاؤں بیان کی ہے: ”میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اپنے علوم میں سے مجھ پر وہ باتیں کھول دے جن سے مجھ پر رنج اور مرجوح ممتاز ہو جائے۔“^(۱)

علمی مقام:

علامہ شوکانی نے اپنے آغاز شباب ہی میں اہل علم پر اپنی علمی دھاک بٹھادی اور انہوں نے آپ کے علمی کمال کی شہادت دی۔ صاحب ”معجم المؤلفین“ عمر رضا کحالیہ آپ کا تعارف یوں کرواتے ہیں:

آپ (بیک وقت) مفسر، محدث، فقیہ، اصولی، مؤرخ، ادیب، نحوی، منطقی، متکلم، حکیم تھے۔^(۲)

صاحب معجم حفاظ القرآن لکھتے ہیں:

آپ حفاظ قرآن میں سے اور بہترین علمائے مجتہدین مؤلفین میں سے تھے۔ اور آپ مفسر، محدث،

فقیہ، اصولی، مؤرخ، ادیب، نحوی، منطقی، متکلم اور حکیم تھے۔^(۳)

مسلک:

امام شوکانی کے مسلک کو درج ذیل 3 نکات کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے:

- 1- امام شوکانی نے اپنے گھر یلو پس منظر کی بنا پر ابتدائی طور پر فقہ زیدیہ کی تعلیم حاصل کی، مگر وسعت مطالعہ اور حدیث میں رسوخ علم نے انہیں امام زید کی فقہ میں محصور نہیں رہنے دیا۔ چنانچہ انہوں نے فقہ زیدیہ پر ناقدانہ نظر ڈالی اور ان تمام مقامات پر گرفت کی جہاں قرآن و سنت سے ذرا بھی انحراف پایا جاتا تھا۔
- 2- اصول دین اور صفات الہی کے بارے میں سلف کی طرح وہ بھی مسلک تفریض رکھتے تھے یعنی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں وارد ہونے والی صفات کو بغیر کسی تشبیہ و تعطیل اور تاویل و تحریف کے ان کے ظاہر پر محمول

(۱) محمد بن علی الشوکانی الیمینی، أدب الطلب ومنتہی الأدب (لبنان: دار ابن حزم، ۱۴۱۹ھ

،) ص 35

(۲) عمر رضا کحالیہ، معجم المؤلفین (بیروت: مکتبۃ المثنی، 2005ء)، 11: 53

(۳) محمد محیسن، معجم حفاظ القرآن عبر التاريخ (بیروت: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ)، 2: 379

کرتے تھے۔^(۱)

3۔ امام شوکانی اجتہاد اور رجوع الی القرآن والسنۃ کے پر جوش داعی تھے۔ اس لیے انہوں نے تقلید کا جو کاندھوں سے اتار دیا اور اجتہاد و تدبر کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ ان کا مطمح نظر کسی امام کے مذہب کا اثبات نہ تھا، جیسا کہ مقلدین کا دتیرہ ہوتا ہے، بلکہ قرآن و سنت کے مطابق جو مسلک حق ہوتا تھا اسے اختیار کرتے تھے۔

منصب قضاء اور وزارت داخلہ و خارجہ:

1209ھ میں صنعاء کے بڑے قاضی یحییٰ بن صالح شجری سحولی کی وفات کے بعد علامہ شوکانی کو قضا کا عہدہ پیش کیا گیا۔ آپ نے اہل علم سے مشاورت کے بعد اس عہدہ کے قبول کرنے کے فوائد کے پیش نظر اسے قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر تادم حیات اس عہدہ قضا پر فائز رہے۔ سوانح نگاروں کے بقول علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے عہدہ قضا کے منصب پر فائز ہونے کے بعد انصاف کو قائم کیا، مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلایا، رشوت کو ختم کیا، تعصب کی شدت کو کم کیا اور لوگوں کو قرآن و سنت کے اتباع کی دعوت دی۔^(۲) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منصب قضاء آپ کو چھتیس (36) سال کی عمر میں تفویض کیا گیا نیز یہ منصب صرف قضا تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے بعد آپ وزارت کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔^(۳)

وفات اور مقام تدفین:

آپ نے 26 جمادی الاخریٰ 1250ھ / 1834ء کو 76 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ جامع الکبیر صنعاء میں ادا کی گئی اور تدفین بھی صنعاء ہی میں کی گئی۔^(۴)

امام شوکانی کے فقہی امتیازات

امام شوکانی متاخرین فقہاء میں نمایاں اہمیت کے حامل فقیہ ہیں۔ آپ نے اپنے اعلیٰ علمی کمالات سے وہ مقام حاصل کیا ہے جو متاخرین فقہاء میں بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ آپ کی اعلیٰ درجہ کی فقہی بصیرت محتاج

(۱) یوسف الغوش، مقدمة فتح القدير (لبنان: دار المعرفة، 1428ھ)، 1: 7

(۲) مقدمة الفتح الرباني من فتاوی الإمام الشوکاني، 1: 27

(۳) مقدمة فتح القدير، 1: 6

(۴) أيضا 1: 10

بیان نہیں۔ آپ نے ہمیشہ احکام شرعیہ میں اجتہاد و تحقیق کا راستہ اپنایا اور تقلید کی پابندی سے ہمیشہ خود کو آزاد رکھا۔ آپ کی فقہی بصیرت بھی آپ کے دعویٰ اجتہاد کی تائید اور موافقت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

ہر فقہیہ کے طرز فکر کے چند خاص پہلو ہوتے ہیں جن سے وہ دیگر فقہاء سے ممتاز ہوتے ہیں اور جو ان کے طرز فکر کی پہچان بننے ہیں۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بے شمار فقہی امتیازات و خصوصیات حاصل ہیں جن سے امت مسلمہ نے آپ کے اور آپ کے بعد کے قرون میں اپنی اپنی راہ عمل کا تعین کیا ہے اور جن سے فکر و نظر کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

درج ذیل سطور میں ہم امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند فقہی امتیازات پر کلام کرتے ہیں:

1۔ پہلا امتیاز: فقہاء کے اجتہادات کو حتمی دلیل قرار نہ دینا:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ علماء کے اجتہادات کے نتیجے میں سامنے آنے والے اصول و قواعد کو صرف ایک اجتہادی نقطہ نظر کے طور پر دیکھا جانا چاہیے، شرعی دلیل کے طور پر نہیں لیا جانا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہاد ایک انسانی عمل ہے اور انسان خطا کا پتلا ہے۔ اس لیے کسی بھی اجتہاد کو قبول کرنے سے پہلے اس کی دلیلوں کی جانچ کرنا ضروری ہے۔ مختلف مذاہب کی تعبیرات میں تعصب نے اس خیال کو جنم دیا ہے کہ جو کچھ ائمہ نے فرمایا ہے وہ مکمل طور پر صحیح ہے اور ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لحاظ سے موزوں ہے، اس پر کسی بھی قسم کی ترقی، تبدیلی یا اضافے کے لیے بحث نہیں کی جاسکتی۔ اس خیال نے ائمہ مذاہب کی آراء کو اپنی ذات میں مستقل حجت بنا دیا ہے اور انہیں فقہی تحقیق میں شرعی دلیل کا مقام دے دیا ہے۔ لہذا اس بنا پر ان خیالات کو جانچ کر اور تحقیق کے لیے پیش کرنے کی کسی بھی کوشش کو ائمہ کی علمی حیثیت پر حملہ، محقق کی شہرت کو داغدار کرنے اور اس کی مذہبی وابستگی پر شبہ کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس بات پر زور دیا کہ آپ ہر عالم دین کے لیے شریعت کے ہر معاملے میں منصف ہوں کیونکہ شریعت آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے لہذا اس میں تعصب کے ذریعے خیانت نہ کریں کہ اس کی بیان کردہ رائے اور اس سے منقول شدہ اجتہاد کو خود پر اور دوسرے بندوں پر حجت بنا دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ نے اسے شارع بلکہ معبود کا درجہ دے دیا حالانکہ وہ خود شریعت پر عمل کرنے والا اور احکام کا مکلف ہے۔

ایک مجتہد اگرچہ آپ سے علم کی کسی قسم میں فائق اور فہم میں آپ کی حد سے آگے ہو سکتا ہے لیکن اس کے

باوجود وہ اس خاص حد اور سطح سے اوپر نہیں نکلتا کہ وہ بھی آپ ہی کی طرح عبادت کرنے والا ہے، اس کی رائے بندوں پر حجت نہیں اور اس کا اجتہاد ان کے لیے لازم نہیں۔ بلکہ آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کی علمی سبقت کا اس کے درجے میں اعتراف کریں لیکن اس کے ساتھ آپ یہ یقین رکھیں کہ اس نے جو اجتہاد ضروری علوم کا احاطہ کر کے کیا وہی اس پر لازم اور ضروری تھا اور آپ پر بھی اجتہاد اور کوشش واجب ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر حاکم نے اجتہاد کیا اور صحیح ثابت ہوا تو اسے دو اجر ملیں گے، اور اگر اس نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو اسے ایک اجر ملے گا۔“^(۱)

اسی طرح امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال کو بھی مسترد کر دیا کہ پہلے ائمہ نے اپنے اجتہاد سے بعد میں آنے والے لوگوں کو اجتہاد کے فریضہ سے سبک دوش کر دیا ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اصل عمل جدوجہد اور اجتہاد کرنا ہے۔ اگر اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا تو بہت اعلیٰ ہے لیکن اگر اس سے قاصر رہے تو بھی کوئی ملامت نہیں ہوگی بشرطیکہ اپنے دل میں یہ طے کر لیا ہو کہ کوئی حجت اللہ کے سوا نہیں ہے، کوئی حکم اللہ کے سوا نہیں ہے اور کوئی شریعت اللہ کی شریعت کے سوا نہیں ہے۔^(۲)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ فقہ اسلامی میں ایسے قواعد شامل ہیں جن کی لغت عربی یا اصول شرع میں کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہیں ہے، صرف علماء میں ان کے شائع ہونے کی وجہ سے وہ قطعیت کے درجے تک پہنچ کر قانون بن گئے اور ان کے ذریعے قرآن و سنت کے نصوص کو پرکھا جانے لگا۔ تحقیق سے غافل شخص اس بات سے متاثر ہو کر ان قواعد کو قرآن و سنت کے دلائل کا درجہ دے ڈالتا ہے اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے کہ گویا وہ قواعد لوح محفوظ سے اترے ہیں لیکن جب ان قواعد کی تحقیق کی جائے تو اکثر ان کی بنیاد محض رائے اور عقلی دلیل کے علاوہ کوئی نہیں ہوتی۔^(۳)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور مثال ان فاسد قواعد میں سے دو کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک قاعدہ درج ذیل ہے:

(۱) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، الجامع، (ریاض: دار السلام، 2015ء)، أبواب

الأحكام، باب ما جاء في القاضي يصيب ويخطئ، رقم الحديث: 1326

(۲) أدب الطلب ومنتہی الأدب (ص 34)

(۳) ایضا (ص 112)

”میرا ایک مسئلہ پر حکم پوری جماعت پر حکم کے مترادف ہے۔“ (1)

یہ قاعدہ اگرچہ اپنی ذات میں بعض مقامات پر درست طریقے سے منطبق ہو سکتا ہے بلکہ بعض شارحین حدیث نے اس قاعدہ کی نسبت خود رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی کی ہے (2) لیکن امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی حیثیت ایک جزئی صورت کی ہے نہ کہ قاعدہ کلیہ کی، لہذا اسے اس طرح قاعدہ کلیہ کا درجہ دے دینا کہ ہر قسم کی جزئیات میں تحقیق کے بغیر صرف اس قاعدہ کے مطابق حکم لگا دیا جائے درست نہیں۔

اسی طرح ایک مشہور قاعدہ یہ بیان کیا جاتا ہے: ”ہم صرف ظاہر پر حکم لگاتے ہیں۔“ (3)

جو شخص فقہی جزئیات کا مطالعہ کرتا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگرچہ بہت سی صورتوں میں ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے لیکن بعض معاملات کے ظاہر پر حکم لگانے کی بجائے ان کی گہرائی تک تحقیق ضروری ہوتی ہے۔ اس لیے مطلقاً یہ کہہ دینا کہ ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں، درست نہیں ہے۔

اس طرح کے بہت سے اصول فقہاء سے مختلف ابواب فقہیہ میں منقول ہیں۔ جو شخص انہیں قطعی اصول کا درجہ دیتا ہے، وہ دھوکہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی ضرورت کو واضح کیا کہ جس طرح فروعی مسائل کی جانچ اور تحقیق کی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے قواعد کی بھی تحقیق کی جائے اور انہیں دلیل کے معیار پر پرکھا جائے، انہیں دلیل کے معیار پر پرکھے بغیر قبول کرنا درست روش نہیں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے اس کے اور حق کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ (4)

2- دوسرا امتیاز؛ فقہی روایات کا مطالعہ کرتے وقت آزادانہ نظر کا استعمال:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا امتیازی اصول فقہی روایات کا مطالعہ کرتے وقت آزادانہ نظر کا استعمال کرنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک صرف اس لیے کسی رائے کو مسترد یا قبول نہ کرنا درست نہیں ہے کہ وہ کسی

(1) أبو حامد الغزالی، المستصفی (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۳ھ)، (ص 235)

(2) محمد بن یوسف الکرمانی، الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری (لبنان: دار إحياء

التراث العربی، ۱۳۵۶ھ)، (75/11)

(3) فخر الدین الرازی، المحصول (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۱۸ھ)، (6/111)

(4) أدب الطلب ومنتہی الأدب (ص 114)

خاص عالم یا ہمارے پسندیدہ مجتہد کی رائے ہے بلکہ ہر ایک عالم کی رائے کو اس کی دلیلوں کی بنیاد پر اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ پھر چاہے ایک مسئلہ میں ہماری رائے اس مجتہد کے موافق ہو جائے اور دوسرے مسئلہ میں مخالف ہو جائے، امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان کے الفاظ میں اس اصول کا حاصل اس طرح ہے:

”انصاف اور اجتہاد کا یہ لازمی حق ہے کہ کسی فرد عالم کے بارے میں اچھا یا برا خیال نہ کیا جائے جس سے اس کی رائے کو قبول کرنا یا اسے رد کرنا بغیر کسی سوچ، غور و فکر، تحقیق اور تلاش کے ضروری ہو جائے۔ کیونکہ یہ مقلدین کا کام ہے اور متعصبین کا طرز ہے، چاہے اس کا نفس اسے دھوکا دے کہ وہ منصفین میں سے ہے۔“^(۱)

3- تیسرا امتیاز: کثرتِ دلائل کی بجائے قوتِ دلائل کی بنا پر ترجیح دینا:

بہت سے ائمہ سے منقول ہے کہ وہ کثرتِ دلائل یا کثرتِ رواۃ کی بنا پر ترجیح کے قائل رہے ہیں۔ چنانچہ امام الحرمین فرماتے ہیں: ”اکثر فقہاء جس بات کے قائل ہیں وہ کثرتِ تعداد سے ترجیح دینا ہے۔“^(۲)

امام شوکانی نے اس اصول کو بالکل مسترد کر دیا اور واضح کیا کہ کسی بھی مسئلہ میں کثرتِ آراء سے متاثر نہ ہونا چاہیے بلکہ صرف اور صرف دلیل کو ہی قبول اور رد کا معیار بنانا چاہیے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو شخص کثرتِ دلیل کی بنیاد پر کسی مسلک کو ترجیح دیتا ہے اس نے اجتہاد کو اس کا پورا حق نہیں دیا اور اس میں تقلید کے اثرات بد موجود ہیں۔^(۳)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اس اصول کی تائید ہمیں متقدمین کے وضع کردہ اصول میں بھی ملتی ہے کہ کثرتِ رائے حجت نہیں بلکہ اصل دارومدار دلیل کی قوت پر ہے۔ چنانچہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں: ”ترجیح علت کی قوت کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ علت کی کثرت کی بنا پر۔“^(۴)

(۱) ایضاً (ص 154)

(۲) امام الحرمین الجویونی أبو المعالی، البرہان فی أصول الفقہ (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۸ھ)، (2/185)

(۳) أدب الطلب ومنتہی الأدب (ص 154)

(۴) شمس الأئمة محمد بن أحمد السرخسی، المبسوط (مصر: مطبعة السعادة، س ن)،

مذکورہ بالا تینوں اصولوں سے دورِ حاضر میں استفادہ کی صورتیں:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ فقہی ورثہ سے استفادہ کے اصول نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لیے کہ دورِ حاضر میں زمانہ جس تیز رفتاری سے ترقی کر رہا ہے اور ہر روز نئے نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں، اس لیے بالخصوص مذکورہ سطور میں بیان کردہ تینوں اصولوں سے استفادہ ضروری ہے۔ یعنی کسی خاص مسلک کا پابند ہونے کی بجائے دلائل کی روشنی میں ان مسائل کا اجتماعی حل اس انداز سے پیش کیا جائے کہ پوری امت مسلمہ کو ایک واضح لائحہ عمل مل سکے۔ ورنہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ کسی ایک مسلک کے اصول کی روشنی میں ان کا حل نکالنا پوری امت کو مشکل میں مبتلا کرنے کے مترادف ہو گا۔

اس کی مثال دورِ حاضر کے عالمی مالیاتی مسائل ہیں جن میں اسلامی بینکنگ اور اسلامک کپینیز کے مسائل خاص طور پر نمایاں ہیں۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی بے انتہا خرابیوں کے باوجود بہت سے لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہونے لگا ہے کہ عالمی مالیاتی معاملات کے متعلق اسلام کی تعلیمات شاید ناقص، سطحی یا ناقابل عمل ہیں، اس لیے ان عالمی معاملات کے حل کے متعلق انفرادی طور پر تو بہت عرصہ سے غور کیا جاتا رہا ہے تاہم ماضی قریب میں ان کے مابین المسالک اجتماعی حل کے لیے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ وغیرہ جیسے مختلف اداروں کے تحت غور شروع ہو چکا ہے۔ کرنسیر اور تبادلہ کی صورتوں میں بے تحاشا متوقع تبدیلیوں کے پیش نظر یہ مسائل آئندہ چل کر مزید پیچیدگی پیدا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ضرورت ہے کہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ مذکورہ بالا تینوں اصولوں سے استفادہ کرتے ہوئے تمام مسالک کے لوگ بھرپور انداز میں مابین المسالک کانفرنسیں منعقد کر کے ان مسائل کے واضح حل تلاش کریں اور انہیں عملی طور پر نافذ کرنے کی صورتوں پر غور کریں تاکہ امت کے سامنے واضح لائحہ عمل آسکے۔

ان کے علاوہ بھی جن عالمی معاملات میں ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن سے تمام مسلمان بیک وقت متاثر ہوتے ہیں ان کے حل کی طرف بھی بھرپور توجہ کی جائے جیسے ان فوڈز کے احکام جو عالمی سطح کی کمپنیاں دنیا کے بیشتر ممالک کو مہیا کرتی ہیں، اسی طرح حلال یا حرام اجزاء سے تیار کردہ میڈیسن کے احکام نیز وباؤں کے احکام جن

کی کچھ صورتیں کورونا کی وبا کے موقع پر سامنے آئی ہیں۔ ان احکام میں مسالک کی قیود سے بالاتر ہو کر اجتماعی غور و فکر کرنے سے بہت سے آسان اور قابل عمل حل نکل سکتے ہیں۔

4- چوتھا امتیاز؛ جرح اور تعدیل کے قواعد کی از سر نو جانچ:

امام شوکانی کی رائے ہے کہ فقہی مطالعات میں انصاف کی رعایت میں رکاوٹ بننے والے عناصر میں سے ایک عنصر جرح و تعدیل کے علم میں تقلید کی روش ہے جس میں بہت سے محققین عصبیت سے کام لیتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک جو ان کے اپنے مذہب میں ان سے متفق ہو وہ عادل ہی ہوتا ہے اور جو شخص ان سے اختلاف کرتا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو، مجروح ہی ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو اس بات سے اتفاق نہیں ہے انہیں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جرح و تعدیل کے مصنفین کی وہ تصنیفات دیکھیں جو مذاہب کی اشاعت اور لوگوں کی ان سے وابستگی کے بعد لکھی گئی ہیں، اسی طرح مؤرخین کی کتابیں دیکھیں تو وہ واضح طور پر دیکھیں گے کہ مذہب میں موافقت جرح کے موجبات سے تعرض نہ کرنے اور ان کے اسباب کو چھپانے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر وہ کبھی کبھار جرح کے سبب کا ذکر کرتے بھی ہیں تو اس کی ایسی تاویلات کرتے ہیں جو عملی طور پر اس جرح کو ختم ہی کر دیتی ہیں لیکن اگر بات ان کے مسلک کے مخالف روایات کی جرح کی آجائے تو ان کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے اور وہ نہایت شد و مد سے اس جرح کو بیان کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جرح و تعدیل کے علماء جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ بلکہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تقلید کا ایک فاسد اثر ہے جو علوم و معارف پر پڑ کر ان کی روشنی کو ماند کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے انہیں اس عمل کے دوران احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ عمل شدید تعصب اور سخت ظلم ہے بلکہ وہ تو الٹا یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین کی مدد، اہل حق کی سر بلندی اور اہل باطل کے خاتمے کا ایک طریقہ ہے۔^(۱)

اسی لیے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہی تحقیق میں انصاف کی ضروریات میں سے ایک چیز یہ بھی ضروری قرار دی ہے کہ مذاہب کی اشاعت اور تقلید کے بڑھنے کے بعد ہونے والی جرح و تعدیل کے قواعد کا جائزہ لیا جائے۔ اس کے لیے جرح و تعدیل کے عمل میں نئے قواعد پر عمل کرنا چاہیے۔ ان قواعد میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول

(۱) أدب الطلب ومنتہی الأدب (ص 116)

مندرجہ ذیل پر انحصار کرنا چاہیے:

- 1- اگر راوی کا عیب روایت سے متعلق ہے، جیسے کہ روایت میں جھوٹ بولنا، حافظہ کی کمزوری یا بے پرواہی، تو یہ ناقابل قبول عیب ہے۔ لیکن اگر عیب کسی اور چیز سے متعلق ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔
- 2- اگر کوئی شخص کسی مذہب سے وابستہ ہے تو اس کی موافقوں کی طرف سے کی گئی جرح اور مخالفوں کی طرف سے کی گئی توثیق قابل قبول ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا ہے جس سے موافق کی توثیق اور مخالف کی جرح لازم آتی ہے تو اس پر توقف کرنا چاہیے، یہاں تک کہ یہ کسی اور طریقے سے معلوم ہو جائے یا اس قدر مشہور ہو جائے کہ اسے سننے والا اسے قبول کر لے۔⁽¹⁾

عصر حاضر میں استفادہ کی صورت:

انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تجزیہ بالکل درست اور قرین انصاف نظر آتا ہے کہ راویوں کی جرح اور تعدیل میں ہمیں مختلف اصحاب جرح و تعدیل کے متعلق مختلف مسالک کے محققین کی آراء میں اختلاف نظر آتا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کی جرح کو ان مسالک کے حضرات بالکل مسترد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی لیے بہت سے علماء جرح و تعدیل کو متشدد قرار دیا گیا ہے جیسا کہ شعبہ، سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید قطان اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔⁽²⁾

اسی طرح اکثر متاخرین فقہاء حنفیہ نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو متعصب قرار دیا ہے۔⁽³⁾ بعض حنفیہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کو متعصب قرار دیتے ہیں⁽⁴⁾ اور بعض دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کو متعصب کہتے ہیں۔⁽⁵⁾ اور ان حضرات کی جرح

(1) ایضاً

(2) محمد بن ابراہیم بن عبد اللطیف آل الشیخ، فتاویٰ و رسائل (مکہ المکرمہ: مطبعة الحكومة، ۱۳۹۹ھ)، (68/5)

(3) محمد زاہد الکوثری، تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابي حنیفۃ من الاکاذیب، (بیروت: دار البشائر الإسلامیة، 1995ء)، (54/2)

(4) محمد أنور شاہ کشمیری، فیض الباری علی صحیح البخاری (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۲۶ھ)، (251/1)

(5) محمد عبد الحی لکهنوی، الرفع والتکمیل (حلب: مکتب المطبوعات الإسلامیة، ۱۴۰۷ھ)، (ص70)

کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اس لیے اس بات کی ضرورت واضح ہے کہ جرح و تعدیل کے اصول و ضوابط پر آزر سر نو غور کیا جائے اور ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال پر اولاً توقف کیا جائے اور تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچا جائے۔

اس غور و فکر کا ایک اور پہلو جس کی طرف توجہ کرنے کی دورِ حاضر میں زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے، یہ ہے کہ بے شمار اقوالِ جرح بہت سے ائمہ و فقہاء کے متعلق کتبِ جرح و تعدیل میں منقول چلے آتے ہیں اور ان کو آڑ بنا کر وہ لوگ جنہیں اسلاف پر نہ خود ہی اعتماد ہے اور نہ ہی وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان پر اعتماد کریں، ائمہ و فقہاء پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کر کے اپنے بغض باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان اقوالِ جرح کی وضاحتیں یا تردید بہت پہلے کی جا چکی ہیں اور ان میں سے اکثر کی حقیقت غلط فہمی یا تاریخی افسانوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایسے میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرزِ عمل کو فروغ دینے کی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ اقوالِ جرح و تعدیل میں توقف اختیار کیا جائے اور اعتدال کو فروغ دیا جائے۔

5- پانچواں امتیاز: فقہِ سیاسی کے اصول کی تجدید:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کو سیاسی معاملات میں جو عملی تجربہ حاصل ہوا ہے، متاخرین فقہاء کی اکثریت کو وہ تجربہ حاصل نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر متاخرین فقہاء سیاسی معاملات سے عملاً کنارہ کش رہتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ وہ عملاً سیاسی معاملات کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لہذا سیاسی امور میں ان کی بصیرت ایک مخصوص دائرہ کار تک محدود رہ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثریت ان معاملات میں اجتہادی پہلوؤں پر غور کرنے کی بجائے متقدمین سے منقول مسائل کے بیان اور شرح و توضیح پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

خوش قسمتی سے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کو یمن کے سیاسی معاملات عملی طور پر سنبھالنے کا طویل عرصہ تک موقع ملا۔ اس لیے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کو سیاسی معاملات میں خصوصی بصیرت حاصل ہو گئی اور انہوں نے ان امور سے متعلق مجتہدانہ خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے اپنے مختلف رسائل میں اہم سیاسی مسائل پر بحث کی ہے جو اسلامی ممالک میں موجود مغرب سے متاثرہ نظامِ حکمرانی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند اہم مسائل درج ذیل سطور میں بیان کیے جاتے ہیں:

دین اور ریاست کی علیحدگی کے تصور کا رد:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دین اور سیاست دونوں کے حامل ہوتے ہیں اور دینی ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ سیاسی امور میں بھی شریک رہتے تھے۔ اسلام اس معاملہ میں خصوصی امتیاز رکھتا ہے اس کی ابتدائی منزل ہی سیاست سے شروع ہوتی ہے اور اس کی تعلیم مسلمانوں کی دینی اور سیاسی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی اور کفیل ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر قرآن پاک میں جنگ و صلح اور حکام و رعایا کے متعلق قوانین و احکام موجود ہیں اور اسی وجہ سے کتب احادیث و فقہ میں عبادات و معاملات کے پہلو بہ پہلو ملکی سیاست کے مستقل ابواب موجود ہیں۔

اس پس منظر میں دین اور ریاست کی علیحدگی کی اصول کے بارے میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاریخی بنیادوں اور اسلامی معاشرے پر اس کے نفاذ کے نتائج کو بیان کرنے میں دلچسپی لی ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ اس اصول کی جڑیں تاتاریوں کے بادشاہ چنگیز خان (548-624ھ) تک پھیلی ہوئی ہیں۔ تاتاریوں نے بادشاہوں اور رعایا کے لیے جو اپنے من پسند قوانین نافذ کیے تھے، اسلام کے بعد بھی انہی قوانین پر عمل کیا۔ چنانچہ ان قوانین نے اسلامی ممالک میں جڑ پکڑ لی اور حکمرانوں نے انہیں تسلیم کر لیا، جیسے کہ ان کا قاعدہ ہے کہ: ملک شرعی اصول کے مطابق نہیں چل سکتا یا حکومت خود ساختہ قوانین کے بغیر نہیں چل سکتی وغیرہ۔⁽¹⁾

علماء کے لیے حکمرانوں سے تعلق قائم کرنے کا حکم:

حکمرانوں سے علماء کے تعلق رکھنے میں جہاں بہت سے فوائد ہیں وہیں بہت سے خطرات بھی ہیں کیونکہ عام طور پر ان کے ساتھ بیٹھنے سے دنیا طلبی اور حب مال و حب جاہ میں اضافہ ہوتا ہے جو انسان کے دین کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بسا اوقات حکام دین کے خلاف فیصلے نافذ کرتے ہیں اور سوائے معدودے چند افراد کے لوگوں کی اکثریت ان کی ہاں میں ہاں ملاتی جاتی ہے، اس لیے قدیم محققین نے بادشاہوں اور حکمرانوں سے کنارہ کشی کی ہی ترغیب دی ہے تاکہ ان خطرات سے بچا جاسکے۔ البتہ اس بات میں بھی شبہ نہیں کہ قدیم علماء کا یہ فیصلہ محض احتیاط پر مبنی ہے ورنہ اہل علم کی صحبت سے زیادہ نہ سہمی، کچھ نہ کچھ فوائد تو حکمرانوں اور ان کے واسطے سے عوام کو ملتے ہی ہیں۔ چنانچہ وہ بہت سے دینی معاملات میں مشاورت کر لیتے ہیں اور درست اقدام کی

(1) الإمام الشوکانی حیاتہ وفکرہ، ص 358-360

طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات بہت سے حکمرانوں کو ان کی غلطی پر متنہب کیا جائے تو وہ باز بھی آجاتے ہیں۔

اس لیے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمرانوں سے تعلق کے اصول میں تجدید کا فیصلہ کیا اور علماء کی عہدوں سے کنارہ کشی کو مسترد کر دیا۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ حکمران معاشرے اور ریاست پر اثرات مرتب کرنے والے مراکز ہیں جن سے علماء کی بے رغبتی پوری ریاست کے لیے اسلامی تعلیمات سے دور ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اس کے برعکس ان کا خیال یہ تھا کہ علماء کی حکومت اور ریاست کے اداروں میں مشغولی انصاف کو حاصل کرنے، حکمرانوں کی اصلاح کرنے اور ان کے ظلم کو کم کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اگر علماء، فضلاء اور دین دار لوگوں نے حکمرانوں کے ساتھ مداخلت سے گریز کیا تو شریعت عملاً معطل ہو جائے گی، اسلامی سلطنت جاہلی سلطنت میں بدل جائے گی اور کتاب و سنت کے احکامات کو علانیہ توڑا جائے گا۔^(۱)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے اختلاف کیا جو معاشرے اور ریاست میں تبدیلی کے مراکز سے کنارہ کشی کو منکرات کی کثرت کا عذر بناتے ہیں۔ انہوں نے ان کی دلیل کو جو سد الذرائع پر مبنی ہے، ایک منطقی اور عقلی دلیل سے رد کیا جس کا مطلب ہے کہ منکرات کی موجودگی ہر مسلم ریاست میں لازمی ہے جو خلافت کے عہد کے بعد قائم ہوئی ہے، جہاں حکومت کی نظام بادشاہت بن گئی ہے۔ انہوں نے حکمرانوں سے تعلق کے مسئلے کا مطالعہ شریعت کے مقاصد اور اس کے عام قواعد کی روشنی میں کرنے کی تجویز دی، جیسے کہ قاعدہ ہے: ضرر اعظم کو ضرر ادنیٰ سے دفع کیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کی روشنی میں حکمرانوں سے تعلق رکھنے والوں کے لیے گنجائش ہے کہ وہ بعض حالات میں ان کے کچھ منکرات سے درگزر کریں، لیکن رضامندی کے لیے ہر گز نہیں، بلکہ اس لیے کہ ان کی کوشش سے اس سے بڑا منکر دفع ہو گیا۔ اگر کم درجہ کے منکر میں سختی کریں گے تو بڑے ضرر کا مقابلہ سخت دشوار ہو جائے گا۔^(۲)

چونکہ عہدوں اور حکمرانوں سے کنارہ کشی کا اصول پوری اسلامی دنیا میں ایک عام فقہی عقیدہ بن گیا ہے، اس لیے اس بات کا ادراک رکھتے ہوئے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء پر زور دیا کہ وہ ان الزامات سے متاثر نہ ہوں جو

(۱) الفتح الربانی من فتاوی الإمام الشوکانی (9/ 4672)

(۲) ایضاً

اسلامی شریعت میں ضرر اور مصلحت کے قواعد سے لاعلم لوگوں کی جانب سے ان پر ان کے حکمرانوں سے تعلق کی بنا پر لگائے جاتے ہیں۔

سیاسی استحکام کے حقیقی عوامل کا بیان:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی فقہ میں سے ایک موضوع سیاسی استحکام ہے۔ شاید ان کی اس مسئلے میں دلچسپی اس بات کا نتیجہ تھی کہ انہوں نے اسلامی دنیا میں عام طور پر اور یمن میں خاص طور پر، سیاسی جدوجہد میں اضافے کا مشاہدہ کیا۔ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی استحکام کے لیے تین بنیادی عوامل کی نشاندہی کی:

1- فوجی طاقت: جو عوام کو تحفظ فراہم کرتی ہے اور حکمران کو مخالفین کے خلاف دفاع کرنے کی اجازت دیتی

ہے۔

2- اقتصادی طاقت: جو عوام کو روزگار اور خوشحالی فراہم کرتی ہے اور حکومت کو فرائض کی انجام دہی میں مدد

دیتی ہے۔

3- مذہبی عہدے: جو حکمرانوں کو شرعی اصول فراہم کرتے ہیں اور عوام کی اصلاح کے لیے پلیٹ فارم مہیا

کرتے ہیں۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عوامل ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ایک مضبوط معیشت ہی طاقت و ر فوج کو برقرار رکھنے میں مدد کر سکتی ہے اور اسی طرح طاقت و عسکری قوت ہی مضبوط معیشت کو تحفظ فراہم کر سکتی ہے۔

یمن کی مالی پالیسی اقتصادی بحرانوں کے دور کی انتظامی بد عنوانیوں اور داخلی انتشار کی بنا پر بہت سے ٹیکسز پر مشتمل تھی جسے بعض علماء کی تائید اور شرعی فتویٰ بھی حاصل تھا، ان علماء نے ان ٹیکسوں کا جواز یہ پیش کیا تھا کہ حکومت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی بلکہ وہ ان مروجہ ٹیکسوں سے ہی چلتی ہے جو عام طور پر لیے جاتے ہیں اور جس نے عوام کی معاشی حیثیت پر بہت منفی اثر ڈالا تھا۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تفصیلی منشور تحریر کیا جس میں اقتصادی اصلاحات کے اصول بتائے، زکاۃ اور شریعت کے مقرر کردہ مالی فرائض کے علاوہ عائد کیے جانے والے ان ٹیکسوں کی مخالفت کی اور خلیفہ کے کاتب اور قاضی القضاۃ کے طور پر انہوں نے امام منصور علی بن عباس کو، جو ٹیکسوں میں زیادتی کی پالیسی اپناتے تھے، مشورہ دیا کہ رعایا میں انصاف کا تقاضا ہے کہ ان سے صرف اس چیز کا

مطالبہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔^(۱)

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ذاتی ملکیت کی ضمانت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے دفاع کا حق بھی دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ سے زیادہ ایک نقیر یا قضمیر بھی طلب کرے گا، اس کی اطاعت نہیں ہوگی۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اسے روکیں اور اس کی شکایت مقامی جج کو کریں۔ پھر جج کو اسے امام کے دربار تک پہنچانا ہو گا تاکہ اسے اس جرم کی سزا دی جاسکے جس سے دوسرے لوگ بھی باز آجائیں۔ اگر جج ایسا نہ کریں تو انہیں عہدے سے برطرف کر دیا جائے۔^(۲)

اس اہم اعلان کو امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے پورے ملک میں عام کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ہر حکمران اسے اپنے علاقے کے رعایا کے سامنے پڑھے اور اس کی ایک نقل ہر گاؤں کے لوگوں کو اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ فراہم کرے تاکہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں اور اس کے ذریعے ہر ظالم کی ظلم اور ہر جابر کی زیادتی کو دفع کر سکیں۔ امام شوکانی کا یہ موقف ٹیکسوں میں زیادتی کے رجحان کا صرف ایک جزوی علاج نہیں تھا، بلکہ اس کے وسیع ترین مقاصد میں ظالمانہ اقتصادی پالیسی کو درست کرنا اور اس سے پیدا ہونے والے سماجی ظلم کو دور کرنا بھی تھا، جو شہریوں کے لوٹ مار اور ان کے استحصال پر مبنی ہے۔ آپ نے اس موضوع پر ایک رسالہ "تعبیہ الأمثال علی عدم وجوب الاستعانة من خالص المال" لکھا جس میں مال کے ایسے استعمال کو ناجائز قرار دیا۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضابطہ مقرر کیا کہ شہریوں کے پیسوں سے مدد لینا صرف تب جائز ہے جب مسلمانوں کے کسی علاقے کو کفار نیست و نابود کرنے کے درپے ہوں۔ اس کے علاوہ رعایا کے پیسے کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے، غیر ضروری جنگوں پر خرچ کرنے یا اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کے لیے استعمال کرنا ہرگز درست نہیں۔ جو علماء اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ علماء سوء ہیں۔^(۳) امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "بلوغ السائل أمانیہ بالتکلم فی البصائر الثمانیة" میں ملک کی اقتصادی پالیسی کو بہتر بنانے سے متعلق کئی اہم مسائل پر

(۱) حسین بن عبد اللہ العمری، الإمام الشوکانی رائد عصره دراسة في فقهه وفكره (بيروت:

دار الفكر المعاصر، 1990ء) ص 464

(۲) أيضا

(۳) الإمام الشوکانی رائد عصره دراسة في فقهه وفكره (ص 946)

بحث کی، جیسا کہ بے روزگاری کا مسئلہ اور دولت کی تقسیم میں حکومت کی مداخلت وغیرہ۔ نیز انہوں نے اس میں واضح کیا کہ حکومت کو زکوٰۃ کے پیسوں کو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے مطابق تقسیم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔^(۱)

دورِ حاضر میں استفادہ:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وسیع تجربہ اور گہری بصیرت کے نتیجے میں جو فقہِ سیاسی کی تجدید کا فریضہ سرانجام دیا ہے اس سے دورِ حاضر میں استفادے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت اسلامی ممالک کی سیاست کا حال یہ ہے کہ شاید ہی اس میں دین کے کسی حکم کی ضرورت محسوس کی جائے یا اسلامی تعلیمات کی اہمیت کا مفروضہ قائم کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شعبے کو دین سے تقریباً بالکل کٹ کر ذاتی یا جماعتی مفادات کے حصول کا بنیادی ذریعہ قرار دے دیا گیا ہے۔ اس لیے اہل علم کی یہ ذمہ داری بجا طور پر محسوس کی جاتی ہے کہ وہ عملی طور پر یا تو اسلامی سیاست کے عمل میں شریک ہوں یا کم از کم حکمران اور سیاست دان طبقہ کی علمی سرپرستی کا فریضہ سرانجام دیں۔

6- چھٹا امتیاز؛ کسی ایک فقہی مسلک کی مکمل تقلید سے اجتناب:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی انداز و اسلوب میں ”دلیل“ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے پیش نظر انہوں نے اپنے فقہی اسلوب میں دلائل کو قولِ فیصل ماننے کے اصول کی پابندی کی ہے، پھر چاہے اس کا قائل کوئی بھی ہو اور وہ کسی بھی فقیہ سے منقول اور مروی ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک فقہی احکام کی بنیاد کتاب و سنت ہے۔ اس ضمن میں ہر مسئلہ کے اندر ان کے نزدیک اس بات کا اہتمام کرنا ضروری ہے کہ وہ نصوص سے متصادم نہ ہو اور شریعت کے مقاصد اور روح کے دائرہ کار کی حدود میں ہو۔ اس لیے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کسی بھی فقہی حکم کو تب ہی راجح اور قابلِ اخذ قرار دیتے ہیں جب وہ دلیل سے ثابت شدہ ہو اور اصول سے نہ ٹکرائے۔ اگر امام شوکانی کو کوئی بھی فقہی مسئلہ قرآن و سنت سے متصادم اور ان سے ٹکراتا ہوا نظر آئے تو پھر چاہے اس کا قائل کوئی بھی ہو

(۱) عبد الغنی قاسم الشراعی، الإمام الشوکانی حیاة وفکره (بیروت: مؤسسة الرسالة،

2001ء)، ص 380

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس کو فوراً مسترد کر دیتے ہیں اور ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی تصانیف کا مطالعہ کرنے والے کو آپ کا یہ اسلوب ہر جگہ واضح دکھائی دیتا ہے۔ ذیل میں دو مثالوں کے ضمن میں اس بات کی وضاحت کی جاتی ہے:

(1) مثال کے طور پر امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”نیل الاوطار“ کے ”باب حکم الأذنین فی الوضوء“ میں شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ قاسمیہ، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ کانوں کا مسح کرنا وضو میں فرض ہے۔ ان کی پہلی دلیل بیان کرتے ہوئے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں انگلیوں سے ان کے اندر کے حصہ کا مسح کیا، اور اپنے دونوں انگوٹھوں سے ان کے باہر کے حصے کا مسح کیا، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باہر اور اندر دونوں حصوں کا مسح کیا۔“^(۱)

ان حضرات کی دوسری دلیل بیان کرتے ہوئے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ: ”دونوں کان سر کا حصہ ہیں۔“^(۲)

کانوں کے سر کا حصہ ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ سر کے مسح کے حکم میں کانوں کا مسح بھی شامل ہو۔ جب سر کا مسح کرنا وضو میں فرض ہے تو کانوں کا مسح کرنا بھی لازمی طور پر فرض ہوگا۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں ”دلیل“ ہی کی طرف رجوع کیا اور اسی کو قول فیصل بناتے ہوئے اسی میں از سر نو غور کیا کہ کیا واقعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان کردہ عمل نبوی اور فرمان نبوی **(الأذنان من الرأس)** ان حضرات کے اس مسلک کی تائید کرتے ہیں؟ کیا واقعی ان دونوں روایات میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو مسح کی فرضیت کو ثابت کرنے کے قابل ہوں۔ غور کے بعد امام شوکانی اس نتیجے پر پہنچے کہ:

نہ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو فرضیت پر دلالت کریں، کیونکہ اس میں تو محض اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل نقل کیا گیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کانوں پر مسح فرمایا۔

(۱) أبو عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجة القزويني، السنن (السعوديه: دار الصديق، ۱۴۳۵ هـ)،

أبواب الوضوء، باب الأذنان من الرأس، رقم الحديث: 439

(۲) جامع الترمذي، أبواب الطهارة، باب ما جاء أن الأذنين من الرأس، رقم الحديث: 37

اس میں فرضیت یا لزوم کا کہاں ذکر ہے؟ اور اس سے فرضیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ اور نہ ہی حضور ﷺ کے فرمان سے اس بات کی دلالت ہوتی ہے کہ کانوں کے مسح کا بھی وہی حکم ہے جو سر کے مسح کا حکم ہے کیونکہ اگرچہ اس حدیث مبارکہ سے یہ ضرور سمجھا جاسکتا ہے کہ کان چونکہ سر کا حصہ ہیں اس لیے ان پر بھی اسی طرح مسح کیا جائے گا جیسے سر پر مسح کیا جاتا ہے لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ کانوں کے مسح کا بھی وہی درجہ ہو گا جو سر کے مسح کا درجہ ہے یعنی جس طرح سر کا مسح کرنا فرض ہے اسی طرح کانوں کا مسح کرنا بھی فرض ہو۔

ان دونوں باتوں پر غور کیا جائے تو خود ان کی بیان کردہ دلیل ہی قول فیصل قرار پاتی ہے کہ اس میں فرضیت کی کوئی دلیل موجود ہی نہیں ہے لہذا ان روایات کی وجہ سے کانوں کے مسح کی فرضیت کا قائل ہونا رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اضافہ ہو گا اور آپ کی طرف اس چیز کا منسوب کرنا ہو گا جو آپ نے ارشاد نہیں فرمائی۔ لہذا راجح یہی ہو گا کہ کانوں کے مسح کی فرضیت کی بجائے اس کے استتباب کی طرف جائیں۔⁽¹⁾

(2) اس اسلوب کی دوسری مثال صدقہ فطر کی مقدار کا مسئلہ ہے۔ فقہاء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ صدقہ فطر نصف صاع واجب ہے یا ایک صاع واجب ہے؟ گندم اور کشمش کے علاوہ تمام اجناس میں فقہاء متفق ہیں کہ ایک ہی صاع نکالنا واجب ہے۔ رہی بات گندم اور کشمش کی تو امام شافعی امام مالک امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ گندم اور کشمش سے بھی ایک صاع نکالنا ہی واجب ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ان میں سے نصف صاع صدقہ فطر واجب ہے۔

اس اختلاف کو نقل کرنے کے بعد امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ دلیل کی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کو قول فیصل قرار دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے احادیث میں جو صدقہ فطر کی مقدار منقول ہے اس میں ”صاع من طعام“ کا ذکر کیا گیا ہے اور ”طعام“ اپنے عموم کے اعتبار سے ہر طرح کے کھانے کی چیز کو شامل ہوتا ہے چاہے وہ گندم ہو، جو ہو یا کشمش وغیرہ ہو۔ لہذا اس دلیل اور نص کے الفاظ کا تقاضا یہی ہے کہ گندم اور کشمش میں بھی ایک ہی صاع صدقہ فطر واجب ہونہ کہ نصف صاع۔ رہا یہ کہ احادیث کی وضاحت میں صحابہ کرام نے ”طعام“ کی تفسیر کرتے ہوئے جو گندم کا ذکر نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت عرب میں اس کا رواج نہیں ہوا تھا لیکن جب گندم کا استعمال عام ہو گیا تو وہ بھی اسی مفہوم میں شامل ہو گیا یعنی اس میں بھی ایک صاع ہی

(1) محمد بن علی الشوکانی، نیل الأوطار (مصر: دار الحدیث، ۱۴۱۳ھ)، (203/1)

واجب ہو گا جیسے بقیہ طعام کی صورتوں میں ہے۔^(۱)

دورِ حاضر میں استفادہ:

اجتہاد اس امت کی اہم ترین ضرورت ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے درج ذیل آیت کریمہ میں کیا ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾^(۲)

”اگر وہ لوگ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحابِ اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔“

اس آیت کریمہ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1- ایک یہ کہ حقیقت معلوم کرنے کا ذریعہ اجتہاد کرنا اور کھوج لگانا ہے، اس کے بغیر حقیقت تک رسائی مشکل ہے۔

2- دوسری یہ کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا کیے گئے ہیں جن میں اس اجتہاد اور کھوج کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی ضرورت قیامت تک کے لیے ہے تو اس کی صلاحیت بھی قیامت تک ہی پیدا کی جاتی رہے گی۔

اس کے علاوہ اجتہاد کی مستقل اور ہمیشہ ضرورت اس لیے بھی ہے کہ حالاتِ زمانہ مسلسل بدلتے رہتے ہیں۔ اب اگر آج کے زمانہ پر ایک ہزار سال پہلے کے حالات کے تناظر میں بغیر غور و فکر اور بغیر اجتہاد کے فتویٰ دے دیا جائے تو یقیناً بے شمار خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اس لیے تمام اختلافی مسائل میں غور و فکر اور ان کے حل کے لیے اجتہادی صلاحیت کو بروئے کار لانا ضروری ہے بلکہ بعض اہل علم نے تو اجتہادی صلاحیت ہر مفتی کے لیے لازمی اور ضروری شرط قرار دی ہے تاکہ وہ مسائل کے جواب میں غلطی کا شکار نہ ہو۔ ابنِ نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کے لیے فتویٰ دینا اور قضاء کا عہدہ قبول کرنا کب جائز ہے؟ تو انہوں نے

(۱) ایضاً (4/ 217)

(۲) النساء: 4: 83

فرمایا کہ جب وہ حدیث اور رائے دونوں میں بصیرت رکھتا ہو۔^(۱)

موجودہ زمانہ میں سیاسی، تمدنی، اقتصادی، طبی وغیرہ مسائل اتنے پھیل گئے ہیں کہ ان کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں احکام شرعیہ کو مستنبط کرنا اجتہادی صلاحیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اب وہ وقت نہیں رہا کہ صدیوں پہلے ہمارے اسلاف نے جو فتاویٰ مرتب کئے تھے محض ان کو دیکھ کر اور گرد و پیش سے آنکھ بند کر کے فتویٰ دیتے چلے جائیں کیونکہ بہت سے مسائل عرف، مقام اور حالات زمانہ پر مبنی ہوتے ہیں۔ اعضاء انسانی کی پیوند کاری، تولید کی نت نئی صورتیں، معاملات و سرمایہ کاری کے پیچیدہ ترین مسائل اور کرنسی و زر مبادلہ کی نت نئی صورتیں وغیرہ سیکٹروں ایسے نئے مسائل ہیں جن میں اجتہاد کے بغیر مسائل بیان نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے اجتہاد بہر حال ناگزیر ہے۔

حاصل یہ کہ اختلافی مسائل میں راجح قول کی تعیین ہو یا جدید مسائل کی پیچیدگیوں کا حل، دونوں ہی کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ان دونوں طرح کے مسائل میں راہ عمل طے کرنا سخت دشوار ہے۔

7- ساتواں امتیاز؛ حتی الامکان نص کے ظاہری معنی پر عمل کا اہتمام:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ حتی الامکان نص کے ظاہر سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ استنباط کرتے ہوئے وہ ہمیشہ اس بات سے احتراز کرتے ہیں کہ استنباط کی غرض سے نص کو اس کے ظاہری معنی سے ہی پھیر دیا جائے۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ نص کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، اسی سے فقہی استنباط کیا جائے اور اسی کو احکام پر لاگو کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا استنباطی اسلوب نص اور اس کے معنی و مفہوم کے ارد گرد ہی گھومتا ہے۔ البتہ اگر کوئی واضح اور منفقہ اصول ایسا ہو کہ جس کی بنیاد پر مجبوراً انہیں نص کے ظاہر کو چھوڑنا پڑے تب وہ اسے چھوڑتے ہیں۔ عام حالات میں نص کے ظاہر کو سمجھ کر لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کی مثال صدقۃ الفطر کا مسئلہ ہے۔ فقہاء کرام نے اس پر بحث کی ہے کہ وہ کس پر واجب ہے؟ اس پر

(۱) ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق (اردن: دار الکتاب

الإسلامی، 2012ء)، (294/6)

انہوں نے فقہاء کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں:

- 1- ایک قول یہ ہے کہ صدقہ فطر اس شخص پر واجب ہے جو دس دن کی خوراک کا مالک ہو۔
- 2- زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ صدقہ فطر اس شخص پر واجب ہے جو شرعی اعتبار سے غنی یعنی مال دار ہو۔
- امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر اس شخص پر لازم ہے جس کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک موجود ہو۔
- ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ تیسرے مسلک کو راجح قرار دیتے ہیں۔ یعنی جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک موجود ہو اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ اس کی دلیل میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے ”ظاہر نص“ سے استدلال کیا ہے۔ سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر فرض فرمایا روزے دار کو لغو کاموں اور رفث یعنی گناہ کی باتوں سے پاک کرنے کے لیے اور مساکین کی خوراک کے لیے، لہذا جس نے اسے عید الفطر کی نماز سے پہلے ادا کیا تب تو وہ مقبول زکوٰۃ ہوگی اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔“^(۱)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ہر مسلمان پر لازم فرمایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے روزوں کی کمی کو دور فرمائے۔ ظاہر ہے کہ روزوں کی یہ کمی مالدار کے روزوں میں بھی ہو سکتی ہے اور غریب کے روزے میں بھی ہو سکتی ہے، اس لیے جیسے مالدار کو اپنے روزوں کی کمی دور کرنے کی ضرورت ہے ایسے ہی غریب کو بھی اپنے روزوں کی کمی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا یہ قید لگانا کہ صدقہ فطر صرف اس شخص پر لازم ہوگا جو شرعی اعتبار سے مالدار ہو، اس حدیث مبارکہ کے ظاہری تقاضے کے خلاف ہے۔ لہذا حدیث کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ امیر پر بھی صدقہ فطر کو لازم کیا جائے اور غریب پر بھی صدقہ فطر کو لازم کیا جائے۔ اور اس بارے میں فقیر اور مالدار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ قول کی تفسیر سے

(۱) أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني، السنن (بيروت: دار الرسالة العالمية، ۱۴۳۰ھ

)، كتاب الزكاة، باب كم يؤدى في صدقة الفطر، رقم الحديث: 1609

ہو جاتی ہے کہ جس شخص کے پاس دن اور رات کا کھانا موجود ہو اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ نصوص مطلق ہیں جن میں مالدار اور فقیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور صدقہ فطر کے نکالنے والا کتنے مال کا مالک ہو، اس مقدار کی تعیین میں کوئی اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ خاص طور پر جب کہ وہ علت جس کے لیے صدقہ فطر کو مشروع کیا گیا ہے غنی اور فقیر دونوں میں موجود ہے یعنی لغو اور گناہ کے کاموں سے پاک ہونا۔^(۱)

دور حاضر میں استفادہ:

جوں جوں ہم عہد نبوی ﷺ سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں خود رائی اور کج روی مسلسل زور پکڑتی چلی جا رہی ہے اور ہر شخص کا اصرار ہے کہ جو کچھ اس کی فکر و نظر کہتی ہے اسے ہی درست تسلیم کیا جائے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل فرمان میں بھی امت کے آخری طبقات میں اس بیماری کے پیدا ہونے کی پیش گوئی ملتی ہے۔^(۲) لہذا اس خود پسندی کے دور میں کج روی سے بچنے کا سب سے محفوظ راستہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حتی الامکان نصوص کے ظاہر کو نہ چھوڑا جائے اور جب ہماری کوئی رائے نص کے ظاہر کے خلاف جاتی ہوئی معلوم ہو سب سے پہلے اسے متہم سمجھا جائے اور اولاً یہی خیال کیا جائے کہ شاید ہمارے غور و فکر میں کچھ خامی ہے کہ ہماری رائے نص کے ظاہر سے ٹکرا رہی ہے اور حتی الامکان نص کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا جائے۔ البتہ کسی دوسری دلیل شرعی سے معلوم ہو جائے کہ وہ نص اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے تو الگ بات ہے۔ عصر حاضر کے جدید مسائل کے شرعی حل میں یہ طریقہ کار نہایت محفوظ معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام

گزشتہ سطور میں امام شوکانیؒ کے فقہی امتیازات و کوزیر بحث لایا گیا ہے جس سے ان کے طرز فکر کے اہم پہلو واضح ہوتے ہیں اور جن سے ہم عصر حاضر کے جدید پیش آمدہ مسائل کے حل میں کافی حد تک مدد لے سکتے ہیں۔ امام شوکانیؒ کے پیش کردہ فقہی امتیازات کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی رائے کے مطابق علماء کے اجتہادات کے نتیجہ میں سامنے آنے والے اصول و قواعد کو صرف ایک اجتہادی نکتہ نظر کے طور پر دیکھا جانا چاہیے، شرعی دلیل

(۱) نیل الأوطار (4/220)

(۲) سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، رقم الحديث: ۴۳۴۱

کے طور پر نہیں لیا جانا چاہیے۔ فقہی روایات کا مطالعہ کرتے وقت آپ آزادانہ نظر کے استعمال پر زور دیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ صرف اس لیے کسی رائے کو مسترد یا قبول نہیں کرنا چاہیے کہ وہ کسی خاص عالم کی رائے ہے بلکہ اس کی دلیلوں کی بنیاد پر اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ کسی بھی مسئلہ میں کثرتِ آراء سے متاثر نہ ہونا چاہیے بلکہ صرف اور صرف دلیل کو ہی قبول اور رد کا معیار بنانا چاہیے۔ فقہی مطالعات میں انصاف کی رعایت میں رکاوٹ بننے والے عناصر میں سے ایک عنصر جرح و تعدیل کے علم میں تقلید کی روش ہے جس میں بہت سے محققین عصبیت سے کام لیتے ہیں۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی مذہب سے وابستہ ہے تو اس کے موافقوں کی طرف سے کی گئی جرح اور مخالفوں کی طرف سے کی گئی توثیق قابل قبول ہے۔ لیکن موافق کی توثیق اور مخالف کی جرح پر تحقیق ضرور کرنی چاہیے۔ علماء کو حکمرانوں اور سیاست دانوں سے تعلق رکھنا امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری ہے تاکہ انہیں درست راہِ عمل بتائی جاسکے البتہ ان کی خوشامد کرنا اور ان کے غلط فیصلوں کی تائید کرنا بالکل بھی درست نہیں ہے۔ آپ کے فقہی انداز و اسلوب میں ”دلیل“ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے پیش نظر آپ نے اپنے فقہی اسلوب میں دلائل کو قولِ فیصلہ ماننے کے اصول کی پابندی کی ہے، پھر چاہے اس کا قائل کوئی بھی ہو اور وہ کسی بھی فقیہ سے منقول اور مروی ہو۔ آپ کے مطابق حتی الامکان نصوص کے ظاہر سے ہی استدلال کرنا چاہیے، استنباط کرتے ہوئے اس بات سے احتراز کرنا چاہیے کہ استنباط کی غرض سے نص کو اس کے ظاہری معنی سے ہی پھیر دیا جائے۔